عید میلا د النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۲/ربیع الاول کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''جشنِ عید'' منایا جاتا ہے اور آج کل اُسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں:

۱:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغرسنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شباب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر وفکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ونماز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق وشمائل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد وتقویٰ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وخشیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح وجنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امت کا فرض ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احبابؓ واصحابؓ، ازواجؓ واولادؓ، خدامؓ وعمالؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس وپوشاک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیاروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے، کیوں کہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا تذکرہ ہے۔

۲:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو حصے ہیں: ایک ولادتِ شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا۔ پہلے حصہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیاتِ طیبہ کا دوسرا حصہ جسے قرآن کریم نے امت کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' فرمایا ہے۔ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہمہ خوبی وزیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے جمالِ جہاں آراء کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ اس کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل و ثبوت کے ساتھ نشاندہی کرسکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا مضمون ہے، اس لیے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے کے ہیں: ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مرقع بن جائے اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر نقشِ قدم پر مرمٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین، صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ ہدیٰؒ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل و مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔

آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحاتِ حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لیے آیا، واپس جانے لگا تو حضرتؓ نے فرمایا: ''برخوردار! تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے''۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفرِ حج میں پڑاؤ کیا تھا، وہاں اترتے، جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا، اس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لیے اترے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اترتے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اس کی نقل اتارتے، رضی اللہ عنہ۔

یہی عاشقانِ رسول تھے جن کے دم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ صرف اوراق و کتب کی زینت نہیں رہی، بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی اور اس کی بوئے عنبرین نے مشامِ عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے، نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقۂ بگوش اور جمالِ محمدیؐ کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش تھی، جس کا

www.banuri.edu.pk

پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔

سلف صالحین نے کبھی سیرت النبیؐ کے جلسے نہیں کیے اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لیے کہ وہاں ''ہر روز روزِ عید'' اور ''ہر شب شبِ برأت'' کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبیؐ'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل ومجلس کا موضوع ہی ''سیرتِ طیبہ'' تھا اور جب ان کا ہر قول وعمل ''سیرت النبیؐ'' کا مدرسہ تھا، تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی؟! لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بُعد ہوتا گیا، عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔

الحمدللہ! یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی، آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسوو کاکل سنوارتے ہیں اور ان کے لیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملکِ سلیمانؑ اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ جیسے بدنام کنندہ، کپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دوبار ''سیرت النبیؐ'' کے نعرے لگاکر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ اُن کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا، وہ قرض انہوں نے پورا ادا کردیا اور اب ان کے لیے شفاعت واجب ہوچکی ہے، مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرتِ طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کرڈالا ہے، اور روزمرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دوچار نغمے سننے، نعت شریف کے دوچار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہوجاتا ہے۔

میلادکی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں، مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبیؐ'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ ''محفل میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوالخطاب ابن دحیہ نے کیا، جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں:

۱:...... بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعیُّن۔

۲:......علماء وصلحاء کا اجتماع۔

۳:......اور ختمِ محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح کو ایصالِ ثواب۔

ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مورخین

نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل وثقہ۔ واللہ اعلم۔ جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز وعدم جواز کی بحث چلی، علامہ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے ان خودساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اُسے ''بدعتِ سیئہ'' قرار دیا۔ اور دیگر علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی اوان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز واستحسان کا فتویٰ دیا۔ پھر جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف ''علماء وصلحاء کے اجتماع'' تک محدود نہ رہی، بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے ''عید میلاد النبیؐ'' کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہؓ وتابعینؒ کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا، بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے۔ اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقانِ رسولؐ'' کہلاتے ہیں، اور جو لوگ اس نوایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں، ان کو دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خودتراشیدہ شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ! دشمنانِ رسولؐ تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوگیا تھا، اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لیے شعارِ اسلام بنادیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے۔ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کردو اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کرڈالو؟

دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اور اپنے بزرگوں کے بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر ''عید میلاد'' منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کردیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح ومزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود ونمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور وشغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائدِ حقہ، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے ''انسان سازی'' کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ وبار نہیں لاتا، بلکہ

وہ تو ایسا سدا بہار شجرۂ طوبیٰ ہے جس کا پھل اور سایہ دائم وقائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں ’’أُکُلُهَا دَائِمٌ وَّ ظِلُّهَا ‘‘ کہنا بجا ہے۔اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منت نہیں بلکہ آفاق وازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں، بلکہ کروڑوں ایسی قدآور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردِ راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم وبیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء علیہم السلام کی ہے، جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہے، ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی، پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد وہدایت کے مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجیے! اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کرسکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے، جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کمتری پیدا ہوا، اس لیے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ’’یوم ولادت‘‘ کا جشن منانے لگی۔ یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا، تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں‘ امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے اُمت نے اسے ’’بدعت‘‘ قرار دیا اور اسے ’’ہر بدعت گمراہی ہے‘‘ کے زمرے میں شمار کیا۔

اگرچہ ’’میلاد‘‘ کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہوچکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کیے، لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اُسے ’’عید‘‘ کا نام دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ’’میری قبر کو عید نہ بنانا‘‘ اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ’’عید‘‘ بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس

سالگرہ کو ''عید میلاد النبیؐ'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہوگیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ''عید'' کے دو دن مقرر کیے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشن عید میلاد النبیؐ'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں: یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی ہے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔

ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹/ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸/ربیع الاول، اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲/ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے ''جشن عید'' کے لیے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشنِ عید'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہرحال میں اس دن کو ''عید'' کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں، اس لیے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے، اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خودرائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

اور پھر یہ ''عید'' جس طرح منائی جاتی ہے وہ بھی لائقِ شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں، جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور وشغب ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے۔ کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو ''بدعت'' ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔ **فیا غربة الإسلام!** (ہائے اسلام کی بیچارگی!)